

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين و صلي الله علي سيدنا محمد و آله الطاهرين

قرآن کریم کی آیات کریمہ کے ظاہر کے مطابق اگر انسان مرتے وقت موت کے آثار جیسے ملک الموت آنے وغیرہ کو متوجہ ہو جائے اور سمجھ جائے کہ اب اس دنیا سے جانے والا ہے اس وقت توبہ کرے اگرچہ ابھی اس کی زبان کام کر رہی ہے اور عقل بھی کامل ہے سوچ سمجھ بھی رکھتا ہے تب بھی اس کا یہ توبہ قبول نہیں ہے کہ سورہ مبارکہ نساء میں فرماتا ہے «وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ» اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں ہے جو برے کاموں کا ارتکاب کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت آپہنچتا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے : اب میں نے توبہ کی "» اور اس سے ماقبل آیت میں فرماتا ہے «إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ» اللہ کے ذمے صرف ان لوگوں کی توبہ ہے جو نادانی میں گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں "» جہالت عناد اور جان بوجھ کر دشمنی کرنے کے مقابلہ میں ہے (یعنی جان بوجھ کر خدا کی مخالفت نہیں کی ہے) «ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ» بعد والی آیت کے قرینہ کے مطابق یعنی موت آنے سے پہلے اگر توبہ کرے تو ان کا توبہ قبول ہے، اگر کوئی گناہکار انسان موت کے آثار معلوم ہونے سے پہلے توبہ کرے تو اس کا توبہ قبول ہے لیکن جب موت کی نشانیاں ظاہر ہو جائے تو اس کے بعد اس کا توبہ کسی بھی صورت میں قبول نہیں ہے اور اس میں کوئی استثناء بھی نہیں ہے «وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ» اب ان کے لئے توبہ کرنے کا امکان نہیں ہے، یعنی ان کا توبہ قبول نہیں ہوگا۔

جب موت حاضر ہوتی ہے تو کہتا ہے « قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ » میں توبہ کروں گا لیکن ان کا توبہ قبول نہیں ہے، آیت کا ظاہر یہ ہے کہ «رب ارجعوني لعلی اعمل صالحاً» کہنے کے علاوہ «إِنِّي تبت الآن» بھی کہتا ہے میں ابھی توبہ کرنا چاہتا ہوں، اس وقت خدا اس کے جواب میں فرماتا ہے: "ولیسست" تمہارا یہ توبہ قبول نہیں ہے اور خدا بھی اسے قبول نہیں کرتا۔

«فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ» پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے : ہم خدائے واحد پر ایمان لاتے ہیں «وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ، فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا» اور جسے ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان ان کے لئے فائدہ مند نہیں رہا [1] عرض ہوا کہ شیخ طوسی اعلی اللہ مقامہ الشریف نے تفسیر تبیان میں فرمایا ہے : ان لوگوں نے جب خدا کے عذاب کو دیکھا تو بولے : اے خدا! ہم ایمان لے آئے جب عذاب کو دیکھتا ہے

تو ایمان لے آتا ہے ان کی یہ ایمان کسی کام کا نہیں ہے ! اس کی بعد فرماتا ہے : «سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ» یعنی یہ الہی قانون میں سے ایک ہے کہ جب عذاب نازل ہو رہا ہو اس وقت توبہ اور استغفار کسی کام کا نہیں ہے ! یہ پچھلے امتوں میں بھی ایسا ہی تھا۔

شیخ طوسی فرماتا ہے «فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ أَيَّ عِنْدَ رُؤْيَاهُمْ بَعَثَ اللَّهُ وَ عَذَابَهُ لَأَنَّهُمْ يَسِيرُونَ عِنْدَ ذَلِكَ مُلْجِعِينَ وَ فَعَلَ الْمُلْجِعَ لَا يَسْتَحِقُّ بِهِ الثَّوَابُ» اس وقت یہ لوگ مجبور ہیں اور عذاب کو متحمل ہونے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارہ جوئی نہیں ہے اور جو انسان مجبور ہو اور مجبوری کی وجہ سے "انی تبت الآن" بولے اس کی اس توبہ کی کوئی قیمت نہیں ہے «لا يستحق به الثواب»۔

بعض بزرگوں نے کتاب معاد در قرآن [2] میں شیخ طوسی سے یہ نسبت دی ہے کہ شیخ طوسی نے اس آیہ کریمہ سے یہ استفادہ کیا ہے کہ مرتے وقت یا مرنے کے آثار کو دیکھنے کے بعد جو توبہ کرے وہ قبول نہیں ہے ، درحالیکہ ہم نے ابھی آپ کے سامنے شیخ طوسی کے الفاظ کو بیان کیا کہ انہوں نے مرنے کے وقت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے ، یوں لکھا ہے «عند رؤيتهم بعث الله وعذابه لأتھم يسرون عند ذلك ملجعين و فعل الملجع لا يستحق به الثواب» یعنی انہوں نے پہلے شیخ طوسی کے کلام کو مرنے کے وقت کے توبہ پر حمل کیا ہے اور اس کے بعد ان پر اشکال کیا ہے کہ یہ آیہ کریمہ «فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَ» مرنے سے مربوط نہیں ہے بلکہ دنیوی عذاب کے بارے میں ہے ، پس جو نسبت شیخ طوسی سے دی ہے وہ صحیح نہیں ہے شیخ طوسی کی بات یہ ہے کہ فرماتا ہے جب عذاب الہی آجاتی ہے تو وہ مجبور ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کا توبہ کسی بھی صورت میں قبول نہیں ہے ، اس کتاب معاد میں فرمایا ہے : موت کو دیکھنے اور دنیوی عذاب کو دیکھنے میں فرق ہے ، موت کو دیکھنے کے بعد توبہ کسی بھی صورت میں قبول نہیں ہے ، اور اس میں کوئی استثناء بھی نہیں ہے ، لیکن عذاب میں استثناء ہو سکتا ہے ، ممکن ہے کسی قوم میں خدا کے عذاب کے وقت لوگ توبہ کرے اور اس توبہ کی وجہ سے وہ عذاب ٹل جائے ۔

شیخ طوسی کا یہ کلام مطلق ہے کہ عذاب کے وقت یہ لوگ مجبور ہو جاتے ہیں اور جب انسان مجبور ہو کر توبہ کرتا ہے تو اس کا یہ توبہ قبول نہیں ہے ، انہوں نے اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ موت کے آثار کو دیکھنے کے بعد کرنے والے توبہ کے برخلاف دنیوی عذاب کے وقت جو توبہ کرتے ہیں وہ توبہ قبول ہے اور عذاب الہی ٹل سکتا ہے اپنی اس مطلب کے لئے اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے : «فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمٌ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ» [3] کیا کوئی بستی ایسی ہے کہ (بروقت) ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لیے سودمند ثابت ہوا ہو سوائے قوم یونس کے ؟ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے ٹال دیا اور ایک مدت تک انہیں (زندگی سے) بہرہ مند رکھا

سورہ مبارکہ غافر کی آخری آیت جس میں فرماتا ہے سَنَّةَ اللَّهِ قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ اس کے مطابق خدا کا قانون یہ ہے کہ خدا جس وقت کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو اس وقت وہ قوم اگر ایمان لے آئے ، تو یہاں استثناء ہو سکتا ہے ، اور اس کے لئے بہترین شاہد حضرت یونس کا واقعہ ہے ۔

ہم یہاں ابھی یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے ، اس بارے میں ایک نظریہ یہ ہے کہ دنیا وی عذاب بھی موت کی طرح ہے ، جس طرح موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہے ، اسی طرح عذاب کے نازل ہوتے وقت بھی توبہ قبول نہیں ہے ، جس طرح موت کے وقت کسی کا بھی توبہ قبول نہیں ہے اسی طرح عذاب دنیوی کے وقت بھی کسی کا توبہ قبول نہیں ہو سکتا ۔

دوسرا نظریہ: شیخ طوسی فرماتا ہے دنیوی عذاب اور موت میں فرق ہے ، موت کے وقت کسی کا توبہ قبول نہیں اور وہاں توبہ کسی فائدہ کا نہیں ہے ، لیکن دنیوی عذاب میں استثناء ممکن ہے اور اس کا شاہد و گواہ حضرت یونس (ع) کے قوم کا واقعہ ہے ۔

ہم یہاں اس مطلب کی وضاحت کے لئے خود آیہ کریمہ کے بارے میں کچھ گفتگو کرتے ہیں:

«فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ» اس میں "لولا" نافیہ ہے یا تحذیریہ؟ بعض نے بتایا ہے قرآن کریم میں جہاں بھی "لو لا" ذکر ہوا ہے وہ "ہل لا" تحذیریہ کے معنی میں ہے مگر دو جگہوں پر کہ ان میں سے ایک مورد یہی آیہ کریمہ ہے ، اس آیہ کریمہ میں "لولا" "ہل لا" کے معنی میں نہیں ہے ، "ہل لا" تحذیریہ سرزنش کر کے سوال کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے ! لیکن اس آیہ کریمہ میں بتایا ہے کہ لولا "ما" نافیہ کے معنی میں ہے «لو لا کانت قریۃ» یعنی «ما کانت قریۃ آمنت» کوئی بھی بستی ایمان نہیں لائے کہ یہ ایمان ان کے لئے سودمند ہو ، ایک دفعہ ہم آیہ کریمہ کا اس طرح معنی کرتے ہیں کہ خداوند متعالی یہ خبر دے رہا ہے فرما رہا ہے کوئی بھی بستی والے نے ایمان نہیں لائے کہ ان کی ایمان ان کے لئے سودمند ہو ، یعنی گذشتہ اقوام اور بستی والوں جن کو ہم نے عذاب میں مبتلا کیا ہے ، اگر وہ عذاب کے نازل ہوتے وقت ایمان لاتے ، تو ان کا یہ ایمان ان کے لئے سودمند نہیں تھا !

لیکن اگر ہم "لولا" کو تحذیریہ قرار دیں تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ خداوند متعالی سرزنش کرتے ہوئے سوال کر رہا ہے «ہل لا کانت قریۃ من القری التي اهلکناھا ثابت عن الکفر وأخلصت فی الإیمان» یعنی خداوند متعالی یہ فرمانا چاہتا ہے

کہ کیوں گذشتہ اقوام نے ہمارے عذاب نازل ہونے سے پہلے ایمان نہیں لائے تاکہ وہ ایمان ان کے لئے سودمند ہو ؟

صرف ایک قوم نے ایمان لایا وہ حضرت یونس کا قوم ہے ۔

پس "لولا" نافیہ ہونے کی صورت میں خدا وند متعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ کیوں گذشتہ اقوام نے ایمان نہیں لایا ، ہمارے عذاب نازل ہونے سے پہلے کیوں ایمان نہیں لائے تاکہ یہ ایمان ان کے لئے سودمند ہو! اور اگر "لو لا" کو تحزیز یہ قرار دیں تو معنی یہ ہو گا کہ خدا فرما نا چاہتا ہے گذشتہ اقوام جن پر ہم نے عذاب نازل کیا تھا کیوں ہمارے عذاب نازل ہونے سے پہلے ایمان نہیں لائے تاکہ یہ ایمان ان کے لئے سودمند ثابت ہو جائے صرف ایک قوم نے ایمان لایا وہ حضرت یونس کا قوم ہے اور جب انہوں نے ایمان لایا تو ہم نے دنیا کی خوار اور ذلیل کرنے والی عذاب کو ان سے ٹال لیا «إِلَّا قَوْمٌ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ»

حضرت یونس(ع) کا واقعہ مختلف نقل ہوا ہے «روي أن يونس بعث إلي النينوا من أرض موصل» حضرت یونس عراق میں نینوا کی سرزمین پر مبعوث ہوا تھا فکذبہ وہاں پر لوگوں نے آپ کو جھٹلایا «فذهب عنهم مغاضباً» جس کے بعد آپ ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے «فلما فقدوه» لوگوں نے جب دیکھا کہ حضرت یونس شہر سے نکل گیا ہے «خافوا نزول العذاب» تو ڈر گئے کہ کہیں خدا کا عذاب ان پر نازل نہ ہو جائے «فلبس المسوح» مسموح ، مسح کی جمع ہے جس کا معنی ہے وہ لباس جو بکری کے بال سے بنایا جاتا ہے ، بعض جگہوں پر انسان اپنے نفس کو فرمانبردار بنانے کے لئے یہ لباس پہن لیتا ہے تاکہ ان کا بدن سختیوں کی عادت کرے «واجوا اربعين ليلاً» چالیس راتوں تک گریہ و فغان کرتے رہے «وكان يونس» حضرت یونس بھی شہر سے باہر نکل جانے سے پہلے ان سے بتا چکے تھے «إن عجلكم أربعون ليلة» تمہیں چالیس رات تک مہلت ہے «فقالوا إن رأينا أسباب الهلاك آمناً بك» وہ لوگ حضرت یونس سے یہ کہتے تھے ہم اگر ہلاکت کے اسباب کو دیکھ لیا تو آپ پر ایمان لے آئیں گے «فلما مضت خمسٌ و ثلاثون ليلة» جب پنتیس(۳۵) رات گذر گئی «ظهر في السماء غيمٌ اسود شديد السواد» آسمان پر ایک بہت ہی سیاہ بادل ظاہر ہو گیا «فظهر منه دخانٌ شديد» اور اس بادل سے کالی دھواں نکل کر نیچے کی طرف آنے لگے «وحبط ذلك الدخان حتي وقع في المدينة وسود سطوحهم» جب لوگوں نے اسے دیکھا تو یقین کیا اب تو حضرت یونس کی بات واقع ہونے والی ہے «فخرجوا إلي الصحراء اور صحراء کی طرف نکل گئے «وفرّقوا بين النساء و الصبيان» بچوں کو ان کے ماں سے الگ کیے ، جب ماں اور بچہ کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں تو وہ دونوں آہ و فغان کرتے ہیں «وبين الدواب و اولاده» حیوانوں میں بھی ماں بچوں میں جدائی ڈالی «فهن بعضهن إلي بعض» ہر کوئی چیخ و پکار کر رہے تھے اور آواز اوپر تک جا رہی تھی «وكثر التضرعات» سب تضرع و زاری کر رہے تھے «واظهر الإيمان والتوبة وتضرعوا إلي الله تعالیٰ» بہت ہی خدا کے حضور میں متضرع ہوئے «فرحمهم وكشف عنهم» اس وقت خدا نے ان بخش دی «وكان ذلك اليوم يوم عاشورا يوم الجمعة» وہ دن روز جمعہ اور عاشور کا دن تھا ۔

حضرت یونس(ع) کے واقعہ کے بارے میں یہ ایک روایت ہے ۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ ابن مسعود نقل کرتا ہے : «بلغ من توبتهم عن يرد المظالم حتي أن الرجل كان يقلع الحجر بعد عن وضع عليه بناء اساسه» یہ لوگ توبہ کرنے پر راضی ہوئے تھے اور زندگی کو گناہوں سے پاک کرنا چاہتے تھے حتیٰ یہاں تک راضی ہوا تھا کہ وہ غصبی پتھر جو دیوار کی بنیاد میں ہوا سے بھی نکال کر گھر کو پاک و صاف کرے «فيردّه إلي مالكة و قيل خرجوا إلي شيخ من بقية علماءهم» بعض نقل میں ہے کہ حضرت یونس نے دیکھا لوگ ان کی بات کو نہیں سن رہے ہیں تو اسی قوم میں ایک بزرگ شخص تھا اس کے پاس مشورت کرنے کے لئے آئے ، اس زاہد شخص نے کہا : آپ شہر سے باہر نکل کر ان کے لئے بد دعا کریں ، جب حضرت یونس شہر سے باہر نکل گئے تو «خرجوا إلي شيخ من بقية علماءهم» لوگ علماء میں سے کسی ایک عالم کے پاس آئے «فقالوا قد نزل من العذاب» اس عالم سے عرض کیا : ہم پر عذاب نازل ہو رہا ہے ہم کیا کریں ؟ «فما تري؟» انہوں نے کہا : «فقال لهم قولوا» انہوں نے لوگوں کو یہ دعا تعلیم دی : «يا حيّ حين لا حيّ و يا حيّ يا محيي الموتى و يا حيّ لا إله إلا أنت» لوگوں نے اس ذکر اور دعا کو اتنا دھرایا کہ خدا نے عذاب کو ان سے اٹھا لیا ، شاید اس ذکر اور دعا میں خدا کے اسماء اعظم میں سے کوئی اسم ہو گا جس کی وجہ سے خدا نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا ۔

فضل بن عباس کہتا ہے : ان لوگوں نے اس ذکر کو پڑھا تھا : «اللهم إن ذنوبنا قد عظمت و جلّت» خدایا ہماری گناہیں بہت بڑی ہیں «وأنت أعظم منها» لیکن تو ہماری گناہوں سے بہت بڑا ہے «إفعل بنا ما أنت أهله ولا تفعل بنا ما أنا أهله» ہمارے

ساتھ وہ سلوک کرے جس کا تو اہل ہے نہ وہ سلوک جس کا ہم مستحق ہیں -

یہاں پر یہ مطلب قابل ذکر ہے کہ کیا حضرت یونس کا واقعہ اس قانون سے استثناء ہے، یعنی یوں بتایا جائے کہ جہاں پر بھی خدا کی طرف سے عذاب نازل ہوا ہو اگر عذاب کے نازل ہوتے وقت لوگ ایمان لے آئے "فلم یک ینفعہم ایمانہم" ان کا یہ ایمان کسی فائدہ کا نہیں ہے اور یہ توبہ ان کے لئے سودمند نہیں اور خدا نے ایسے توبہ کو قبول نہیں کیا ہے، مگر ایک مورد کو خدانے قبول کیا ہے وہ حضرت یونس کے قوم کا توبہ ہے۔

حضرت یونس کا واقعہ جس طرح آیہ کریمہ "فلولا كانت قرية آمنه فنفعها ایمانها" سے استثناء ہے اسی طرح اس آیہ کریمہ سے بھی استثناء ہے «فلما رأوا بأسنا قالوا آمنا بالله وحده فكفرنا بما كنا به مشركين فلم يك ینفعهم ایمانهم لما رأوا بأسنا سنة الله التي قد خلت في عباده» دوسرے الفاظ میں ہم یوں بتائیں کہ یہاں پر خدا کا قانون استثناء پزیر ہے -

خود یہی آیہ کریمہ فرماتا ہے کہ یہ خدا کا قانون ہے اور خدا کا قانون قابل تغیر و تبدل نہیں ہے! لہذا آیہ کریمہ کا سیاق یہ ہے کہ یہاں تخصیص صحیح نہیں ہے، یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ خدا کا قانون ہے مگر ایک مورد میں یہ قانون عملی نہیں ہے، اگر اس مورد میں تخصیص پایا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ خدا کا قانون نہیں ہے، کیونکہ خدا کا قانون دائمی اور ہمیشگی ہے، جو عام ہے اور تخصیص کے قابل نہیں ہے، پس آیات کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم تخصیص کے قابل نہیں ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ خود قرآن فرماتا ہے: «لا تبدل لسنة الله» خدا کے قانون میں تبدیلی اور تغیر نہیں ہے، یہاں اسی آیت میں فرماتا ہے: «سنة الله التي قد خلت في عباده» یعنی خدا کا قانون یہ ہے کہ جب عذاب آجاتی ہے تو وہاں توبہ سودمند نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو حضرت یونس کے اس واقعہ کے بارے میں ہم کیا بتائیں، وہاں پر ابھی عذاب نازل نہیں ہوا تھا -

جواب یہ ہے کہ حضرت یونس کے واقعہ میں عذاب کی مقدمات اور آثار نمایاں ہونا شروع ہوا تھا خود عذاب الہی نازل نہیں ہوا تھا، کہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے واقعہ میں بھی ایسا تھا کہ عذاب کی مقدمات نازل ہوئی تھیں، دریا نیل میں ایک تلاطم آیا تھا، ایک عجیب اور بے نظیر طوفان آیا تھا، وہاں پر بھی اگر اسی وقت توبہ کر لیتا تو کوئی مشکل نہیں تھا، ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ: دنیوی عذاب نازل ہونے کا مسئلہ بھی موت کی طرح ہے، اگر عذاب نازل ہوتے وقت توبہ کرنا چاہا تو وہ سودمند نہیں ہے، اس میں کوئی استثناء بھی نہیں ہے، حضرت یونس کے واقعہ میں یہ نہیں فرمایا ہے کہ عذاب نازل ہو رہے تھے لوگوں کی توبہ کی وجہ سے ہم نے اس عذاب کو ٹال دیا، ایسا نہیں فرمایا ہے بلکہ وہاں پر عذاب کی مقدمات ظاہر ہوئے تھے «لما آمنوا كشفنا عنهم» یعنی "دفعنا" نہ کہ رفعنا، یعنی عذاب نازل ہو رہے تھے کہ توبہ کی وجہ سے ہم نے اس عذاب کو ٹال دیا، نہیں! ایسا نہیں ہے بلکہ کشف دفع کے معنی میں ہے "کشفنا عنهم العذاب" یعنی ہم نے ان پر عذاب کو آنے نہیں دیا، ایسا نہیں ہے کہ عذاب آرہا ہو اور ہم نے اسے برطرف کیا ہو، ایسا نہیں ہے -

لہذا مرحوم شیخ طوسی کی بات صحیح ہے کہ اگر عذاب دنیوی کی بات ہو تو وہ بھی موت کی طرح ہے، جس طرح موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہے اسی طرح دنیوی عذاب کے وقت بھی توبہ قبول نہیں ہے اور اس عذاب میں بھی کوئی استثناء نہیں ہے لہذا "الا قوم یونس" میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بعض مفسروں نے یہ احتمال دیا ہے کہ «لم یکن فیما خلا عن یؤمن اهل قرية بأجمعهم» گذشتہ اقوام میں انفرادی ایمان بھی لاتے تھے اور اجتماعی ایمان بھی، لیکن حضرت یونس کی قوم کی خصوصیت یہ تھی کہ "آمنوا" سب ایمان لے آئے، البتہ مرحوم علامہ نے فرمایا ہے اس کا معنی یوں ہے «لم یکن فیما خلا عن یؤمن اهل قرية بأجمعهم حتی لا یشد منهم أحد إلا قوم یونس فهل كانت القراء کلها كذلك» اس کے بعد علامہ فرماتا ہے: یہ معنی اپنی جگہ پر صحیح ہے اور قابل قبول ہے «إلا عن الآية بلفظها لا ینطبق علیہ» لیکن آیہ کریمہ کے الفاظ اس پر منطبق نہیں آسکتا کیوں؟ چونکہ سب نے ایمان لایا، آیہ کریمہ کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت یونس کے قوم نے اجتماعی طور پر ایمان لایا ہے، کہ سب کے سب حتیٰ کہ بچے اور خواتین بھی شہر سے باہر نکل کر صحراء کی طرف گئے ہیں اور بچوں اور ماں کو ایک دوسرے سے الگ کیا ہے اور سب نے سخت قسم کے کپڑے پہن لیے، یہ صرف حضرت یونس کے قوم میں تھا ان سے پہلے کے اقوام میں ایسا نہیں تھا، اور یہاں بھی صحراء کی طرف نکل جانا عذاب کے نازل ہوتے وقت نہیں تھا، بلکہ اس سے پہلے تھا، لہذا اس واقعہ میں بھی یہی نقل ہوا تھا کہ حضرت یونس نے فرمایا: چالیس (۴۰) دنوں کے بعد عذاب

نازل ہو گا ، کہ پینسویں (۳۵) روز کے بعد عذاب آہستہ آہستہ کم ہوا اور نازل نہیں ہوئے ، لہذا یہی معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی عذاب میں بھی کوئی استثناء نہیں ہے ۔
و صلي الله علي محمد و آلہ الطاهرين

[1] - غافر ۱۰۲

[2] - معاد در قرآن: ج ۴، ص ۲۱۰

[3] - یونس ۹۸